

ماہنامہ اشاعت اہلسنت

مفت سلسلہ اشاعت نمبر 102

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ
احمد رضا کی شمع فروزاں تپنے لگی بھی



انامک احمد رضا

عظیم محسن عظیم کردار

مصنف

حضرت علامہ مولانا

خلیل الرحمن چشتی

ناشر

بحیثیت اشاعت اہلسنت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار انارکلی لاہور

اللہ تبارک و تعالیٰ کی اس وسیع و عریض کائنات میں روزِ اول ہی سے ہر دور میں چند ایسی شخصیات موجود رہی ہیں جو کائنات میں بسنے والے انسانوں کیلئے مینارِ نور کی حیثیت رکھتی ہیں ہدایت الہی کا یہ سلسلہ تاحال جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔

تاریخ اسلام کے صفحات ایسی ہیگا نہ روزگار ہستیوں کے مبارک تذکروں سے بھرے پڑے ہیں جن کی خدا و علمی بصیرت سے ایک عالم مستفیض ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

ان مبارک اور مقدس ہستیوں میں ایک ہستی ایسی بھی ہے جنہیں نہ صرف اپنے بلکہ بیگانے بھی مانتے ہیں۔ ان کی سیرت و کردار کا جس قدر مطالعہ کیا جائے ان کی شخصیت اتنی ہی تابناک اور قد کاچھا اتنا ہی بلند نظر آتا ہے۔

میرا اشارہ اختصار سلف، ذقار خلف، عاشق خیر الانام، فداکار اولیاء عظام، تاجدار اہلسنت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجددین و ملت الشاہد احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات باہر کات کی طرف ہے۔

وہ احمد رضا! جو گلستانِ قادریت کی بہار تھے۔

وہ احمد رضا! جو کاروانِ اہلسنت کے سالار تھے۔

وہ احمد رضا! جو عاشق حبیبِ کردگار تھے۔

وہ احمد رضا! جو گستاخانِ رسول کیلئے برہنہ تلواریں تھے۔

وہ احمد رضا! جو علوم و فنون میں اپنے وقت کے بیگانہ تھے۔

وہ احمد رضا! جنہوں نے اُس وقت دو قوی نظریہ کار پر چار کیا جب محمد علی جناح اور شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال بھی متحدہ قومیت کے خواب دیکھ رہے تھے۔

وہ احمد رضا! جن کی پاکستان کیلئے خدمات کسی بھی طرح بابائے قوم اور شاعر مشرق سے کم نہیں۔

وہ احمد رضا! جن کے فتاویٰ رضویہ کی چند جلدوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ڈاکٹر اقبال بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ :

"میں نے دورِ اواخر میں ان ساقیہ نہیں دیکھا۔ مولانا جو رائے ایک بار تو

کر لیتے ہیں اسے دوبارہ بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنا

خاصی سوچ و بچار کے بعد اختیار کرتے ہیں۔ ہاں! اگر عشقِ رسول

ان کی طبیعت میں شدت نہ ہوتی تو وہ اپنے دور کے امامِ اہلسنت

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کی شخصیت تاجِ امتا، فہم

ہر طبقہ میں نہ صرف آپ کے جاسنے والے بلکہ آپ کی ذات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ

نام کتاب : امام احمد رضا..... عظیم محسن، عظیم کردار

مصنف : حضرت علامہ فطیل الرحمان چشتی صاحب

صفحہ امت : ۲۲۲ صفحات

تعداد : ۲۰۰۰

سن اشاعت : صفر ۱۴۲۳ھ بمطابق مئی ۲۰۰۲ء

مفت سلسلہ اشاعت : ۱۰۲

☆☆☆ ناشر ☆☆☆

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار، ٹیٹھارہ کراچی۔ فون: 74000-2439799

گزشتہ سال صفر کے مہینے میں حضرت فطیل الرحمان چشتی صاحب نے نور مسجد کاغذی بازار میں ہفتہ واری اجتماع کے سلسلے میں ایک تقریر فرمائی تھی جس کا موضوع "امام احمد رضا..... ایک محسن، ایک کردار" تھا یہ تقریر کچھ ایسی پُر اثر اور دلکش تھی کہ دوستوں کی فرمائش پر ہم نے حضرت علامہ موصوف سے گزارش کی کہ وہ اسے کتابی صورت میں مرتب کریں۔ حضرت نے ہماری اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے اپنی اس تقریر کو کتابی شکل دے دی گزشتہ سال چند ناگزیر وجوہات کی بناء پر ہم ان کی یہ تقریر شائع نہ کر سکے۔

الحمد للہ اب یہ تقریر کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے حسن اتفاق سے اس دوران اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تجدید کے حوالے سے ایک اور مضمون نظروں سے گذرا جو کہ خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب علیہ الرحمہ کا تصنیف کردہ ہے جو کہ ماہنامہ پاسان الہ آباد، انڈیا کے امام احمد رضا بریلوی نمبر میں شذرات (ایڈیٹر کی کرسی واقعہ پر تبصرہ) کے نام سے شائع ہوا تھا۔

چنانچہ اس کتابچے میں دو مضامین شامل اشاعت ہیں جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان اس کتابچے کو اپنے سلسلہ مفت اشاعت کی 102 ویں کڑی کے طور پر شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہی ہے امید ہے کہ زیر نظر کتابچہ قارئین کرام کے علمی ذوق پر پورا اترے گا۔

فقط..... ادارہ

موجود ہیں۔ آپ اپنے وقت کے مجدد اور آفتاب رشد و ہدایت ہیں۔ آپ کی ذات و شخصیت کے بارے میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے جتنا کہ شاید غیر مذاہب اور مختلف مکاتب فکر کی پوری تاریخ و تعارف پر نگاہ کیا ہو۔

ایک ایسا دور جب جہالت، دین کے لباس میں بھیلی، دہی تھی۔ وحید کے نام پر اللہ عزوجل، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی گستاخیاں کفر کی سرحدوں کو چھو رہی تھیں۔ نام نہاد علمائے دین، انگریز کے حکم پر بس اس تک دو دو میں مصروف عمل تھے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی عظمت کو گھٹایا جائے۔ خوشی اور غم کی مجالس میں ہندو نہ رسوم کا پرچار ہو رہا تھا۔ قوم کے افراد بے راہروئی کا شکار تھے۔ علم کے نام پر الحاد، دہریت، منچریت، خارجیت و شجاعت کو فروغ دیا جا رہا تھا۔ الغرض دین کے ہر شعبے میں خواہ عقائد، عبادات، معاملات، ہوں یا معاشرت، شریعت ہو یا طریقت، پوری قوم ایک ایسی منزل پر پہنچ چکی تھی جہاں سے اس قوم کو واپس لانا جو سائے شیر لانے کے مترادف تھا۔ ایسے دور میں ضرورت اس امر کی تھی کہ ایک ایسے مصلح، مجدد اور محقق کا ظہور ہو جو اصلاح امت کی فکر میں انبیاء کرام کے سچے وارث اور نائب کی حیثیت رکھتا ہو۔

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں بریلی کے ایک معزز و محترم خاندان میں ایک ایسی ذات ارجمند تشریف فرما ہوئی جس کے مقدر میں تمام داخلی اور مذہبی فتنوں سے نیرو آزار مابونا اور پیکر حسن و جمال، مصدرِ وجود و نوال، منبعِ فضل و کمال اور مرکزِ عشق و محبت حضور اکرم ﷺ سے ملت کا رشتہ، محبت استوار کرنا رقم تھا۔

ولادت باسعادت:

اعلیٰ حضرت، عظیم المہرکت، عظیم المرتبت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۳ جون ۱۸۵۵ء بروز "ہفتہ" شہر بریلی کے محلہ جھولی میں ہوئی۔ پیدائشی نام "محمد" اور تارخی نام "الحقار" رکھا گیا۔ دادا محترم حضرت علامہ مولانا رضا علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کا نام "احمد رضا" رکھا۔ بعد ازاں آپ نے خود اپنے نام کے ساتھ "عبدالمصطفیٰ" کا اضافہ فرمایا۔ آپ اپنی نعتیہ شاعری میں اپنے اس نام کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں کہ:

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ
تیرے لیے امان ہے تیرے لیے امان ہے

آپ نسباً پٹھان، مسلکاً حنفی، مشرباً قادری اور مولداً بریلوی تھے۔ آپ کے جد امجد حضرت محمد سعید اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدس سرہ (انفانتان) کے با عظمت قبیلے بڑھچ کے پٹھان تھے۔ حکومت مغلیہ کے زمانے میں لاہور تشریف لائے اور محرز عہدوں پر فائز رہے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ لاہور کا "شیش محل" انہی کی جاکد اوتھا۔ پھر سرکاری فرائض کے سلسلے میں لاہور سے دہلی اور دہلی سے بریلی تشریف لے آئے۔ پھر سرزمین بریلی کو یہ عظمت نصیب ہوئی کہ یہ خاندان مستقل طور پر یہیں مقیم ہو گیا۔

جب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی تو آپ کے دادا محترم حضرت مولانا رضا علی خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو گود میں اٹھایا اور یہ بشارت ارشاد فرمائی کہ میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا اسکے چشمہ عرفان سے ایک دنیا سیراب ہوگی۔ (انوارِ رضا ص 391)

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ:

ہزاروں سال زرخس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا، چھ سال کی عمر میں ربیع الاول کی ایک تقریب میں منبر پر رونق افروز ہوئے اور ایک بڑے اجتماع میں میلاد شریف پڑھا۔ اردو اور فارسی کی کتب پڑھنے کے بعد میزان و منقہب وغیرہ کی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے حاصل کی اور پھر تمام علوم دینیہ اپنے عظیم والد اور اس دور کے بلند پایہ عالم دین مولانا مفتی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کیے اور تیرہ سال، دس ماہ کی عمر میں تمام محقولات و مقولات کی تکمیل کر لی اور پھر تاحیات درس و تدریس، افتاء و تصنیف میں بسر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی صلاحیتیں عطا کیں تھیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، معانی، بیان، بدیع، کلام، ہندسہ، تصوف، قرآن و تنجید، سلوک، نعت، شاعری غرض وہ کون سا علم تھا جس پر امام احمد رضا کامل دسترس نہ رکھتے تھے۔

آپ کے سیرت نگاروں نے سرٹھ سے زائد علوم گنوائے ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کو مہارت تامہ حاصل تھی ان علوم پر آپ نے چھوٹی بڑی تقریریں باجودہ سو سے زائد کتابیں تحریر فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی خدا داد و ذمہی صلاحیت اور ایسا قوی حافظہ عطا فرمایا کہ آپ نے ایک ماہ میں قرآن کریم مکمل حفظ کر لیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی صلاحیتیں عطا

کیس تھیں کیونکہ مستقبل میں بہت بڑے بڑے کام آپ سے لیے جانے تھے۔ عرب و عجم کے سارے علماء آپ کی بے حد تکریم کیا کرتے تھے۔ ریاضی اور جفر کے بڑے بڑے ماہرین نے آپ کی علمی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور مشرق و مغرب میں آپ کا علمی اور روحانی فیضان جاری ہو گیا۔

تحریک آزادی میں اعلیٰ حضرت کا کردار:

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو سیاسی خود کشی سے بچانے کیلئے اور ان کے ایمان کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی نے جو گراں قدر خدمات انجام دیں وہ لائق صد تحسین ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے خلاف جتنے بھی بڑے بڑے فتنے اٹھے یا سازشیں ہوئیں ان کا قلع قمع کرنے کیلئے ہر دور میں اللہ تعالیٰ علمائے کرام و اولیاء عظام کو بھیجتا رہا۔ ان لوگوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کی خدمات کیلئے وقف کر دیں اور اسلامی تعلیمات کا پرچار کیا نیز اسلام کے خلاف ہونے والی پلغار کا مقابلہ کیا۔ یوں دور گزرتا گیا اور آج سے کم و بیش ڈیڑھ سو سال پہلے جب برطانوی سامراج نے برصغیر پاک و ہند پر اپنا سیاسی تسلط قائم کرنا شروع کیا اور مغلیہ سلطنت ختم ہو گئی جیسے ہی برطانوی سامراج کا تسلط مکمل ہوا انہوں نے اسلام کے خلاف اس انداز سے کام کیا کہ مسلمانوں کی سوچ کا رخ تک بدل کر رکھ دیا۔

مسلمانوں کی تعلیمی زندگی کو تباہ و برباد کر دیا گیا یہ جو بیانیہ دنیاوی تعلیم کے اندر نقصان و نظر آتا ہے یہ برطانوی سامراج کے دور کی پیداوار ہے۔ علماء کی سوچ محدود ہوتی چلی گئی۔ وہ جدید تعلیم اور عصری علوم و فنون سے غاری کیے جانے لگے ان کی سوچ اور فکر کی پرواز کا عالم بھی وہ نہ رہا جو قرون وسطیٰ کے علماء و فقہاء کا خاصہ تھا۔ سوائے ان کے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور خاص رحمت تھی۔

آخر کار صورت حال یہ ہو گئی کہ امراء کے اندر بھی بگاڑ پیدا ہو گیا اور وہ اپنی اپنی چاکیریوں اور دنیاوی مفاد و منفعت کے حصول کیلئے انگریز سرکار کے گمن گانے لگے۔ اور ملک و قوم اور اسلام کے غدار ہو گئے۔ (الا ماشاء اللہ)

اس طرز عمل نے وہ اثر چھوڑا کہ کچھ تو برطانوی سامراج کے ہاتھوں بک گئے اور کچھ پر ہندو فکر کی پلغار اثر انداز ہوئی پھر برطانوی سامراج نے امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کیلئے اسلام کے اندر بہت سے فتنے پیدا کرنے کی کوشش کی۔ شتم نبوت کے انکار کا فتنہ نیز قادیان کی سرزمین سے ایک جھوٹے اور فاسق و فاجر شخص کا دعویٰ نبوت بھی برطانوی سامراج اور برطانوی

سازش کی پیداوار تھی تاکہ امت مسلمہ کو مرکز رسالت پر جو اتحاد و یکجہتی حاصل ہے۔ اس میں پھوٹ ڈال دی جائے۔ یہ فتنہ ایسا غارت گرایان تھا جو کتنے ہی مسلمانوں کو کا فر بنا گیا۔

ان ہی فتنوں میں سے ایک بہت بڑا فتنہ جو برطانوی سامراج نے پیدا کیا وہ یہ تھا کہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کو امت مسلمہ میں متنازعہ فیہ بنا دیا جائے۔ یہ اسلام کے خلاف بہت بڑی سازش تھی کیونکہ حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ امت کو جو الہانہ عشق و محبت ہے، اس کے تحت مسلمان ہر دم اپنے نبی کے نام پر کٹ مرنے کو تیار ہے، مسلمان اپنا تین من و جن سب کچھ ہر لمحہ اپنے نبی کی عزت و ناموس پر لانے کو تیار ہے۔ وہ اپنا سب کچھ گنوا سکتا ہے مگر اپنے نبی کی عزت و عظمت اور ناموس پر کوئی حرف برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلام کے ساتھ اسکی محبت، اسکی وابستگی، اسکا لگاؤ جذبات کی ان حدوں کو پہنچا ہوا ہے کہ گولیوں کی بوچھاڑ بھی اسے اپنے اس راستے سے ہٹا نہیں سکتی و اکثر اقبال نے اسی تصور کی طرف اشارہ کیا تھا کہ:-

یہ فاتہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اسکے بدن سے نکال دو
لکر عرب کو دے کر فرجی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

برطانوی سامراج نے دیکھا کہ مسلمان ہزار ہا ظلم و ستم اور فتنہ انگیز یوں کے باوجود بھی زندہ ہے اور اب بھی ان میں اتحاد قائم ہے کہ وہ انگریز سرکار کے خلاف اعلان جہاد بلند کر سکتے ہیں اس خطرے کو ہمیشہ کے لیے ہالنا اُسی وقت ممکن ہے جب مسلمانوں کا رشتہ محبت ان کے نبی سے کاٹ دیا جائے۔ چنانچہ اپنے اس مذموم مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے تنقیص رسالت کا فتنہ اٹھایا۔ حضور ﷺ کی ذات مقدس، آپ کے منصب نبوت، آپ کی عظمت رسالت کے بارے میں ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے جانے لگے اور حضور کی عظمت کے مختلف پہلوؤں کو ظلم و تشنیع کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ انہوں نے حضور ﷺ کی عظمت و شفاعت، تصرفات و اعتبارات، حلم غیب نیز حضور سے توسل و استبراد اور حضور کی تشریفاتی حیثیت وغیرہم مسائل الفرض ہر طرح سے حضور ﷺ کی عظمتوں کو موضوع اختلاف بنا دیا اور حضور ﷺ کی شان میں گستاخیاں و سبائے بے ادبیوں اور تنقیص کے اس غلیظ فتنے کو توحید اور رد شرک کے نام پر فروغ دیا جانے لگا۔ یعنی اب اگر کوئی مسلمان اپنے نبی کا ادب کرے تو اس ادب کو بھی شرک قرار دے دیا جائے۔ کوئی امتی اگر اپنے نبی کی تکریم کیلئے اٹھے تو اسے بھی شرک قرار دے دیا جائے۔ مسلمان اپنے نبی کے نام کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنائے تو اسے بھی شرک قرار دے دیا جائے۔ یہ اپنے نبی کی شفاعت پر اعتقاد رکھنے

تو اسے بھی شرک قرار دے دیا جائے۔ یہ اپنے نبی کو پکارے اور محبت میں یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ کہے اسے بھی شرک قرار دے دیا جائے۔ یعنی نبی سے تعلق کی جتنی جہتیں ہیں ہر جہت میں کسی نہ کسی سمت سے شرک کا فتویٰ لگا دیا جائے۔ یہ اسلام کے خلاف اتنی بڑی سازش تھی کہ ایک امتی اپنے نبی کے ساتھ اپنی محبت کے جذبے کی جس طرح تسکین کرنا چاہتا اس تسکین کے ہر زاویہ پر شرک کا فتویٰ لگا دیا گیا اور اس پر کتابیں لکھی گئیں، توحید کو خالص کرنے اور شرک کے رد کے نام پر کتابیں لکھی گئیں اور ان کتابوں میں یہاں تک لکھا گیا کہ اگر کوئی خود کو غلام رسول کہے، کوئی خود کو عبد رسول کہے، کوئی غلام حسین کہے، اسے بھی شرک قرار دے دیا جائے۔ کوئی حضور کو زندہ کہے اسے بھی شرک قرار دے دیا جائے یعنی توحید کا دائرہ اتنا ستر گیا اور شرک کا دائرہ اتنا بچھل گیا کہ مسلمان کو اپنے ہر طرف شرک ہی شرک نظر آنے لگا۔

دوسرا فتنہ:-

یہ وہ دور تھا جب برصغیر سے انگریزوں کو نکالنے کیلئے جدوجہد کی جاری تھی اور اس مقصد کے حصول کے لیے "ہندو مسلم ایک قومیت" کا نعرہ بلند کیا گیا کہ ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں۔ حالانکہ ہندو ایک الگ قوم ہیں اور مسلمان ایک الگ قوم۔

یہ فکری و سیاسی فتنہ کچھ اس طرح سے اٹھا کہ انگریزوں سے چھکارا حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے علماء، زعماء، اہل علم و ادب فکر جو مسلمانوں کی مذہبی قیادت کر رہے تھے اس فتنے کی پلغار میں اس طرح بہہ گئے کہ انہوں نے اپنے ماتھے پر کھٹکا لگایا اپنی چادروں کو ہندوؤں کی طرح باندھا۔ ہندو لیڈروں کی اقصیوں کو اٹھایا۔ مسجدوں میں ہندو لیڈروں کو لا کر تقریریں کروائیں، قرآن اور ہندوؤں کی کتابوں کو لا کر مندروں میں لے جایا گیا۔ گائے ذبح کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا گیا کہ کہیں ہندو ساتھیوں کی دل شکنی نہ ہو۔ اسلام کے شعائر منہدم ہونے لگے۔ الغرض وہ اکبری الحاد جس کا قلع قمع مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے کیا تھا اس نے پھر برصغیر پاک و ہند میں اچھا سرائھا۔

قارئین محترم! یہ وہ بہت بڑے فتنے تھے ان فتنوں کے سرکچنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے برصغیر پاک و ہند کے اس دور اور خیر جس مروج، مرد آہن، مرد ویش، مرد عارف، مرد ولی، مرد حریّت، مرد کاٹ، مرد جری، عاشق رسول، محسن امت مسلمہ کو پیدا کیا۔ اس کا نام الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی ہے۔

ان کے ایک ہاتھ میں دفاعِ دین کی وہ تلوار تھی جس نے متقیوں و گستاخی رسالت کے فتنے کا سر بچل کے رکھ دیا۔ اور ایک ہاتھ میں وہ تلوار تھی جس نے ہندو مسلم وحدت و قومیت کے

ماننے والوں کا قلع قمع کر دیا۔ تنقیص رسالت کا طوفان جو کہ تیزی سے اندر ہاتھا آپ نے اس کے آگے بند باندھا۔ یہ وہ دور تھا جب بانی پاکستان محمد علی جناح کے ذہن میں بھی مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا کوئی تصور نہ تھا اور محمد علی جناح بھی اُس وقت ہندو مسلم ایک قوم کا نعرہ بلند کر رہے تھے۔ اُس وقت شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال بھی اس فتنے کی حقیقت سے آگاہ نہ تھے اور وہ بھی ہندو مسلم ایک قوم کے نغمے لا پ رہے تھے اُس وقت کوئی مرد حق برصغیر پاک و ہند میں ایسا نہ تھا جو ہندو مسلم قومیت کی وحدت کا پردہ چاک کر کے مسلمانوں کے جداگانہ تصور قومیت کو ابھار سکے۔

اس وقت برصغیر پاک و ہند میں ایک ہی آواز گونجی اور وہ آواز اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی کی تھی 1920ء میں آپ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "الحجۃ المومنہ" ہے اس کتاب کے اندر برملا اعلان کیا کہ جہاں ہماری عداوت، دشمنی اور ٹکرائی سامراج کے ساتھ ہے۔ وہاں ہندو سامراج بھی مسلمانوں کا دشمن ہے۔ مسلمان انگریز کا ساتھی ہے نہ ہندوؤں کا دوست، مسلمان ایک الگ قوم ہے اور ہندو الگ قوم۔ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے جداگانہ قومیت کا تصور پیش کرنے والی امتی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی ہی ہے۔

مگر کتنی بد قسمتی کی بات ہے کہ آج ہم برصغیر پاک و ہند میں نظریہ پاکستان کی تاریخ لکھتے اور پڑھتے ہیں تو اعلیٰ حضرت کا نام ان محسن امت میں نہیں آتا۔ یہ ایک محسن اور عظیم ہستی کے ساتھ کتنا بڑا ظلم اور کتنی بڑی زیادتی ہے۔

مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی تصنیف "الحجۃ المومنہ" اس موضوع پر لکھی گئی پہلی تصنیف ہے۔ آپ نے اس موضوع پر ابو الکلام آزاد اور مولانا عبد الباقی فرنگی نعلی کے ساتھ بحثیں کیں مختلف علماء کے ساتھ اس فکری موضوع پر ٹکری۔

ترک موالات کی تحریک کے خلاف علم بلند کیا اور مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ جنہیں سیاسی، مالی، اقتصادی، معاشرتی اور معاشی اعتبار سے کمزور کیا جا رہا ہے۔ یہ وہ فکر تھی کہ آج نظریہ پاکستان پر ہر مورخ اعلیٰ حضرت کے 1920ء کے پیش کردہ خیالات کی تائید اور تصدیق کیے بغیر نہیں سکتا۔ جس فکر پر جا کر 1947ء پاکستان کی داغ بیل پڑی اس فکر کا نقش اول اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا علیہ الرحمہ نے ہی دیا۔

جہاں تک تعلق ہے تنقیص رسالت کے فتنے کا تو اس کے خلاف اعلیٰ حضرت کو چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین کے دفاع اور اسلامی تعلیمات کی حفاظت کیلئے اپنے فضل و کرم سے خصوصی حکمت اور بصیرت عطا کی تھی چنانچہ انہوں نے علی وجہ البصیرت اس فتنے کا سرکچنے کیلئے تنفیہ کی شکل

میں بڑا زبردست فتویٰ جاری کیا، کتابیں لکھیں، ہر ہر کفریہ عبارت پر گرفت کی، ہر ہر باطل عقیدے کا قلع قمع کیا، ہر ہر مسکے کی وضاحت کی تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فتنہ نہ کر دیا جائے، اور اسکے مزید پھیلنے کے امکانات ختم ہو جائیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ ان کی مومنانہ بصیرت اور مجددانہ بصارت نے اُس کڑے وقت میں یہ فیصلہ کر کے امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان کیا۔

اعلیٰ حضرت اور جذبہ عشق رسول ﷺ

آپ کے سیرت نگاروں نے آپ کے جس وصف کو خاص طور پر ذکر کیا ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے آپ کو سبے پناہ محبت و عقیدت ہے۔ گویا عشق رسول ﷺ اعلیٰ حضرت کی زندگی کا نمایاں ترین وصف ہے۔ تمام غیر متعصب نظریاتی مخالف بھی یہ تسلیم کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں کہ فاضل بریلوی کے جذبہ عشق مصطفیٰ اور وجد آفرین نعت گوئی کی بناء پر وہ بلا مبالغہ "حسان الہند" کہلانے کے مستحق ہیں۔

عشق رسالت اعلیٰ حضرت کا سب سے قیمتی اور لافانی اثاثہ ہے انہوں نے در مصطفیٰ چھوڑ کر کسی دنیاوی بادشاہ کے دروازے پر کبھی نگاہ لگا کر انداز نہیں ڈالی، انہیں بھروسہ تھا تو اپنے آقا و مولیٰ کی کرم فرمایوں پر انہیں اعتماد تھا تو اپنے ہادی و مرشد ﷺ کی بندہ پروریوں پر۔ ان کی نگاہیں اٹھتی تھیں تو تجلیات مصطفیٰ کی صورتیں کو، ان کا دل دھڑکتا تھا تو صرف رحمت اللعالمین کی رحمت نوازیوں پر، عشق مصطفیٰ کا جو معیار وہ قائم فرما گئے وہ بعد میں آنے والوں کیلئے دینار و نور ہے وہ اپنے کلام میں جو سوز بھر گئے۔ خدا جانے کب تک دلوں کو گرماتا اور وجدان کو تڑپاتا رہے گا۔ نمونے کے طور پر یہ شعر ملاحظہ فرمائیں آپ فرماتے ہیں کہ:-

ہزار جنت کو کھینچتا تھا ہمیں 'مدینے سے آج رضوان
ہزار مشکل سے اسکو ڈالا بڑے بہانے بنا بنا کر

سرکارِ ابد قرار علیہ السلام کی بارگاہ ہے کس پناہ میں نہیں اور صلوٰۃ و سلام تو ہزاروں لوگ لکھتے ہیں مگر جتنی مقبولیت مشرق سے مغرب تک اعلیٰ حضرت کے کلام کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کے کلام کو نہ ہو سکی۔ بلاشبہ اگر اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں کا نعتیہ کلام سمجھا گیا جائے تو بلا خوف و تردد کہا جائے گا کہ تمام زبانوں اور تمام زبانوں کا نعتیہ کلام ایک طرف اور امام احمد رضا کا سلام ایک طرف وہ سلام یہ ہے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شیخ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

عربی کلام میں جو قبولیت عام امام ابوہریرہ کے "قصیدہ بردہ شریف" کوئی۔ اردو زبان

میں وہی مقبولیت اعلیٰ حضرت کے سلام کو حاصل ہوئی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکی ابتداء اور آغاز بھی عشق رسول اور نسبت رسول سے تھا اور اسکا اختتام بھی عشق رسول اور نسبت رسول پر ہے۔

آپ نے امت مسلمہ کے دلوں میں ادب و تکریم رسالت کا تصور موجزن کیا اور یہ سمجھا دیا کہ حضور کا ادب، حضور کی تکریم، حضور کی تعظیم، حضور کی محبت ہے تو ایمان اور اسلام سلامت ہے۔ اگر یہ نسبت نہیں تو ایمان ذرہ برابر بھی باقی نہیں۔

بارگاہ رسالت ﷺ میں مقبولیت اور وصال باکمال:

دوسری مرتبہ جب آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ یکس پناہ کی حاضری کے وقت دل میں یہ چٹنا ابھری کہ کاش بیداری کی حالت میں بھی جمال جہاں آراء کی زیارت نصیب ہو جائے (یوں تو عالم خواب میں بار بار اس جلوۂ زیبا کی دید سے اپنی آنکھوں کو سیراب کیا تھا) اس خیال نے اس قدر سہتا ب دے کر قرار کیا کہ حالت غیر ہوگئی۔ اس عالم میں یہ نعت کہی کہ:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
اور جب اس نعت کے مقطع پر پہنچے تو یوں عرض کی:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتنے ہزار پھرتے ہیں

تو رحمت دو عالم ﷺ نے کرم فرمایا اور آپ کے دل کی مراد برآئی اور آپ عالم بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ گویا اعلیٰ حضرت مقبول بارگاہ رسالت کے مقام پر فائز تھے۔

اسی طرح جس روز اعلیٰ حضرت کا وصال ہوا یعنی ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ تک اسی روز بیت المقدس میں ایک شامی بزرگ نے خواب دیکھا کہ حضور ﷺ تشریف فرما ہیں۔ تمام صحابہ کرام بھی حاضر ہار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی آنے والے کا انتظار ہے۔ شامی بزرگ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی.....!

یا رسول اللہ ﷺ..... کس کا انتظار ہے؟

سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا.....! احمد رضا کا۔

عرض کی..... حضور.....! احمد رضا کون ہے؟

فرمایا..... ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔

شامی بزرگ شوق دیدار میں ہندوستان آئے بریلی پہنچ کر اعلیٰ حضرت کا پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ کا عین اسی وقت وصال ہو گیا تھا جس روز خواب میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں احمد رضا کا انتقال فرما رہا ہوں۔

شہید محبت کی دنیا سے روانگی کا منظر بھی بڑا ایمان افروز تھا

۲۵ صفر ۱۳۳۰ھ بمطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۱ء جمعہ المبارک کے بابرکت دن دو بج کر ۳۸ منٹ پر عین اذان جمعہ میں جب مؤذن نے حی علی الفلاح پکارا، آپ علیہ الرحمہ کی روح پر فتوح نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ فاضل جلیل حضرت مولانا حسنین رضا خان صاحب جو نفس نفیس وصال کے وقت اعلیٰ حضرت کے پاس حاضر تھے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”اعلیٰ حضرت نے وصیت نامہ تحریر کر لیا۔ پھر اس پر خود عمل کرایا۔ وصال شریف کے تمام کام گھڑی دیکھ کر ٹھیک وقت پر ارشاد ہوتے رہے۔ جب وہ بیٹے میں چار منٹ باقی تھے۔ آپ نے وقت پوچھا اور فرمایا کہ گھڑی کھلی سامنے رکھ دو۔ یکا یک ارشاد فرمایا کہ تصویر بٹا دو۔ حاضرین کے دل میں خیال گذر کہ یہاں تصویر کا کیا کام؟ یہ خطرہ گذرنا تھا کہ خود ارشاد فرمایا جی کارڈ، لفافہ، روپیہ، پیسہ پھر ذرا وقفہ سے برادر معظم حضرت مولانا محمد رضا خان سے ارشاد فرمایا! وضو کراؤ، قرآن پاک لاؤ، ابھی وہ تشریف نہ لائے تھے کہ برادر مولا نامہ مصطفیٰ رضا خان صاحب سے بھی ارشاد فرمایا اب بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ سورۃ النہین شریف اور سورۃ بعد شریف تلاوت کرو۔ اب آپ کی عمر شریف میں چند منٹ باقی رہ گئے ہیں حسب حکم دونوں سورتیں تلاوت کی گئیں۔ آپ نے ایسے حضور قلب اور بیداری سے سنیں کہ جس آیت میں اشتباہ ہوا سننے میں پوری نہ آئی یا سہنت زبان سے اس وقت ذرا فرق ہوا خود تلاوت فرما کر بتادی۔

اسکے بعد سید محمود صاحب ایک مسلمان ڈاکٹر کو ہمراہ لائے ان کے ساتھ اور بھی لوگ حاضر ہوئے۔ اس وقت جو لوگ اندر گئے آپ نے سب کو سلام کے جواب دیے اور سید محمود صاحب سے دونوں ہاتھ بڑھا کر مصافحہ فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اعلیٰ حضرت قبلہ سے حال دریافت فرمانا چاہا، مگر آپ اس وقت حکیم مطلق جل مجدہ کی طرف مائل تھے ڈاکٹر صاحب سے اپنے مرض یا علامت کے متعلق کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ سفر کی دعائیں جن کا چلتے پھرتے پڑھنا مسنون ہے، تمام وکمال بلکہ معمول شریف سے زائد پڑھیں پھر مکہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ) پورا پڑھا جب انکی طاقت نہ رہی اور سینے پر دم آیا تو اوھر ہونٹوں کی حرکت اور ذکر پاس انفس کا ختم ہونا تھا کہ چہرہ مبارک پر ایک لمحہ نور کا چمکا جس میں جہنم تھی۔ جس طرح آئینہ میں لہو

خود شہید (سورج کی شعائیں) جہنم کرتا ہے، اسکے غائب ہوتے ہی وہ جان نور، جسم، طہر سے پرواز کر گئی۔

إِنِّ لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی تھی کہ جب میری نماز جنازہ ادا ہو چکے، تو میری یہ نعت:

کعبے کے بدر الدجی تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس اعلیٰ تم پہ کروڑوں درود
میری میت کے قریب پڑھی جائے حسب وصیت یہ نعت خوش الحان نعت خواں میت کے ساتھ ساتھ پڑھتے جا رہے تھے۔

ابر رحمت ان کی مرقد پہ گوہر باری کرے
حشر میں شان کریں تاز برادری کرے
پچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو دیران کر گیا
حضور ﷺ کے فرمان پر یقین کامل:

اعلیٰ حضرت اطاعت کے بغیر عشق کے قائل نہ تھے۔ آپ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سنت نبوی کا بہترین نمونہ تھے۔ حضور ﷺ کے ارشادات پر آپ کا یقین کس درجہ مستحکم تھا۔ اس کا حال انہیں کی زبان قلم سے سنئے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ جن دنوں بریلی میں مرض طاعون بعدت تھا۔ ایک دن میرے مسوڑھوں میں درم ہوا اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہو گیا۔ بخار بہت شدید اور کان کے پیچھے گھٹنیاں۔ طیب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا ایہ وہی ہے یہ وہی ہے یعنی طاعون۔ میں بالکل کلام نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے انہیں جواب نہ دے سکا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں، نہ مجھے طاعون ہے اور نہ انشاء اللہ العزیز کبھی ہوگا کیونکہ ایک مرتبہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر وہ دعا پڑھ لی تھی جسے سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی بیمار سیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا خود تازہ زندگی اس بلا سے محفوظ رہے گا وہ دعا یہ ہے!

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ غَفَانِیْ مَعَا اَبَیْکَ بِہِ وَفَضَّلَ عَلَیْ کَبِیْرِیْ مَعْنِیْ خَلَقَ تَفَضُّلاً

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ:-
جن جن امراض اور بلاؤں میں مبتلا ہو کر کہیں کہیں نے اسے پڑھا الحمد للہ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں اور بعونہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔ مجھے ارشاد حدیث پر اطمینان تھا کہ مجھے

طاہر، کبھی نہ ہوگا۔ آخر شب میں جب کرب بہت بڑھ گیا تو دل نے ہار گاہ الہی میں عرض کی اَللّٰهُمَّ صَدِّقَ الْحَقِّیْبِ وَ تَحْذِیْبَ الْقَلْبِیْبِ

کسی نے میرے داہنے کان پر منہ رکھ کر کہا۔ مسواک اور سیاہ مرچیں۔ میں نے مسواک اور سیاہ مرچ کا اشارہ کیا جب دونوں چیزیں آئیں۔ اس وقت میں نے مسواک کے سہارے تھوڑا تھوڑا منہ کھولا اور دانتوں میں مسواک رکھ کر سیاہ مرچ کا سفوف چھوڑ دیا۔ پس ہوئی مرچیں اس راہ سے واڑھوں تک پہنچائیں۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ ایک کلی خالص خون کی آئی۔ مگر کوئی تکلیف و اذیت محسوس نہ ہوئی اس کے بعد ایک کلی خون کی اور آئی اور بھرا اللہ وہ گھٹیاں جاتی رہیں۔ منہ مکمل گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور طبیب صاحب سے کہا بھیجا کہ آپ کا وہ طاہر، لفظہم تعالیٰ دفع ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت کا عظیم کارنامہ:

یوں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات اور کارنامے بے شمار ہیں لیکن آپ کا ترجمہ قرآن وہ عظیم اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ جس کے ذریعے قرآن فہمی کا ذوق و شوق رکھنے والے اہل محبت ہمیشہ روح قرآن سے آشنا ہوتے رہیں گے۔

اعلیٰ حضرت نے ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۹۱۱ء میں آسان اور عام فہم اردو زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا جو اپنے تاریخی نام "کنز الایمان فی ترجمہ القرآن" کے نام سے ہر جگہ مشہور و مقبول ہے۔ ترجمہ قرآن کنز الایمان افادیت و اہمیت اور دیگر تراجم پر فوقیت کے اعتبار سے محتاج بیان نہیں۔

ایک ذی شعور مسلمان (جو حضور ﷺ کے عشق کو سرمایہ ایمان یقین کرتا ہے) جب اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن کا تقابل و موازنہ دیگر اردو کے تراجم کے ساتھ کرتا ہے تو لغوی، معنوی، عقلی، ادبی، علمی اعتبار سے تمام کمالات و شرائط پر جو ترجمہ پورا اترتا دکھائی دیتا ہے وہ ترجمہ کنز الایمان ہی ہے۔

دیگر تراجم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کے ادب و احترام کا خیال نہیں رکھا گیا (الا ماشاء اللہ) جبکہ ترجمہ کنز الایمان میں اعلیٰ حضرت نے ہر مقام پر اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کے ادب و تکریم کے پہلو کو خاص طور پر ملحوظ نظر رکھا۔

کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح آسمانی کتب میں قرآن مجید لاریب، عظیم اور بے مثل کتاب ہے بعینہ اس طرح اس روئے زمین پر قرآن کریم کے ہونے والے اردو تراجم میں کنز الایمان بے مثل و بے مثال ہے۔ قرآن فہمی کا شوق رکھنے والے، قرآن پاک سے درس اصلاح

دینے والے، ترجمہ قرآن پڑھنے اور پڑھانے والے، ترجمہ قرآن کرنے کی سعادت حاصل کرنے والے ہر دور میں ترجمہ کنز الایمان سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے اور یوں قرآن فہمی کی راہیں ان کیلئے آسان ہوتی رہیں گی۔ موجودہ دور میں شائد ہی کوئی مفسر و محدث، مدرس و محقق ایسا ہو جو ترجمہ کنز الایمان سے استفادہ نہ کرتا ہو۔

ترجمہ کنز الایمان صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ العزیز کی مساعی جلیلہ سے ضبط تحریر میں آیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کو خود قرآن پاک کے ترجمہ کی ضرورت کا احساس تھا، لیکن تصنیف و تالیف اور دیگر علمی مصروفیات کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے اس کام میں تاخیر ہوتی رہی۔ آخر ایک دن صدر الشریعہ قلم، دوا و کاغذ لیکر حاضر ہو گئے اور ترجمہ شروع کرنے کی درخواست کی۔ اعلیٰ حضرت نے اسی وقت ترجمہ شروع کر دیا۔ پہلے پہل ایک آیت کا ترجمہ ہوتا، پھر محسوس کیا اس طرح تکمیل میں بہت تاخیر ہو جائے گی۔

ایک ایک رکوع کا ترجمہ ہونے لگا، اس کے ساتھ ساتھ حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علماء، مستند تفسیر کے ساتھ ترجمہ کی مطابقت تلاش کرتے۔ انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اعلیٰ حضرت جو ترجمہ تیاری اور مطالعہ کے بغیر لکھواتے ہیں۔ اکثر تفسیر کے مطابق ہوتا ہے۔

(رضائے مصطفیٰ صدر الشریعہ نمبر ۲ ذی قعدہ ۱۳۷۹ ص ۳)

اعلیٰ حضرت با کرامت ولی:

کرامت ہر ولی اللہ سے ظاہر ہوتی ہے اور خود بخود ظاہر ہوتی ہے کوئی نہ کوئی واقعہ اس کرامت کے ظہور کا موجب بن جاتا ہے اور مقصد اس کا یہی ہوتا ہے کہ دین کی اشاعت ہو اور غیر اس کرامت کو دیکھ کر خود بخود بلا کسی جبر و اکراہ کے حلقہ بگوش اسلام ہو جائے۔ یوں تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کرامات بھی بے حد و بے شمار ہیں لیکن یہاں بخوف طوالت ان میں سے صرف ایک کرامت کو پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً یہ ایک ایسی کرامت ہے کہ جس کو دیکھ کر ایک صاحب اقتدار اور تعلیم یافتہ انگریز مجتہد اپنے پورے کنبہ کے مسلمان ہوا اور ایسا مسلمان ہوا کہ پھر اس نے بقیہ زندگی خدمت دین کے لئے وقف کر دی اور اس نے اپنے وطن جا کر اسلام کی زرین خدمات انجام دیں۔

یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی، سبق آموز اس لئے ہے کہ یہ واقعہ اس بات کا درس ہے کہ سفر ہو یا حضر، خدا اور رسول کا خوف دل میں رکھنے والے نماز کی حالت میں نہیں چھوڑتے، عشق الہی کی رسی کو ہر حال میں ہاتھوں سے تھامے رہتے ہیں اور دلچسپ اس لئے ہے کہ

ساتھی عقل رکھنے والے بھی روحانیت کے کمال کو ماننے پر مجبور ہو گئے سائنسی علم کے ساتھ ساتھ روحانی حقیقت کو بھی انہوں نے تسلیم کیا اور اسلام کی حقانیت کا دامن تاحیات نہ چھوڑا۔

یہ اعلیٰ حضرت کے وصال 1921ء سے چند ماہ قبل کا واقعہ ہے ہوا یوں تھا کہ اعلیٰ حضرت کا اکثر سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین دہلوی جیسری علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں عرس غریب نواز کے موقع پر وعظ ہوا کرتا تھا اور اس وعظ کا اہتمام خود خانقاہ شریف کے "دوہان" صاحب کیا کرتے تھے جس میں علماء و فضلاء دور دور سے وعظ سننے کے لیے شرکت کرتے بعض مرتبہ کن کے حکمران نظام دکن میر محبوب علی خان اور میر عثمان علی خان بھی اس وعظ میں شریک ہوتے تھے اعلیٰ حضرت کا وعظ سننے کے لیے بے شمار طاقت وہاں ہوا کرتی۔

اس مرتبہ جب اعلیٰ حضرت بریلی شریف سے اجیر شریف عرس خواجہ غریب نواز میں حاضری کے لیے جانے لگے تو ان کے ہمراہ دس گیارہ ان کے مریدین بھی تھے۔ دہلی سے اجیر شریف تک جانے کے لیے بی بی ایڈیسی آئی آر ریل چلا کرتی تھی دوران سفر جب یہ ریل گاڑی بھلیر، جٹکشن پر پہنچی تو قریب قریب مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ بھلیر اس دور میں ہندوستان کا بہت بڑا ریلوے جٹکشن ہوا کرتا تھا۔ ان تمام دوسری لائنوں سے آنے والے مسافر اجیر شریف جانے کے لیے اسی ریل گاڑی کو پکڑتے تھے۔ اسی لیے یہ ریل گاڑی بھلیر، اسٹیشن پر تقریباً چالیس منٹ ٹھہرا کرتی تھی۔

بہر کیف جب اعلیٰ حضرت سفر کر رہے تھے تو بھلیر، جٹکشن پر پہنچتے ہی نماز مغرب کا وقت ہو گیا اعلیٰ حضرت نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ نماز مغرب کے لیے جماعت پلٹ فارم پر ہی کر لی جائے۔ چنانچہ چادریں بچھا دی گئیں اور لوگوں میں سے جن کا وضو نہ تھا انہوں نے تازہ وضو کر لیا۔ اعلیٰ حضرت ہر وقت با وضو رہتے تھے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ میرا وضو ہے اور امامت کے لیے آگے بڑھنے اور پھر فرمایا کہ آپ سب لوگ پورے اطمینان کے ساتھ نماز ادا کریں۔ ان شاء اللہ گاڑی ہرگز اس وقت تک نہ جائے گی جب تک کہ ہم نماز پورے طور سے ادا نہیں کر لیتے۔ آپ لوگ قطعاً اس بات کی فکر نہ کریں اور پوری یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کریں۔ یہ فرما کر اعلیٰ حضرت نے امامت کرتے ہوئے نماز پڑھانا شروع کر دی۔ مغرب کے فرائض کی جب ایک رکعت ادا ہو چکی تو ایک دم گاڑی نے دھسل دے دی۔ پلٹ فارم پر دیگر کھڑے ہوئے مسافر تیزی کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو گئے مگر آپ کے پیچھے نمازیوں کی یہ جماعت پورے استغراق کے ساتھ نماز میں اسی طرح برابر مشغول رہی ابھی مغرب کے فرائض کی دوسری رکعت ادا ہو چکی تھی کہ گاڑی نے تیسری اور آخری دھسل بھی دے دی مگر ہوا کیا کہ گاڑی کا انجن آگے کو نہ سرکتا تھا

میل گاڑی تھی کوئی عام ٹینجر گاڑی نہ تھی۔ اس لیے ڈرائیور اور گارڈ سب پریشان ہو گئے کہ آخر یہ ہوا کیا کہ ریل گاڑی آگے نہیں جاتی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ انجن کو ٹیسٹ کرنے کے لیے ڈرائیور نے گاڑی کو پیچھے کی طرف دھکیلا تو گاڑی پیچھے کی سمت چلنے لگی، انجن بالکل ٹھیک تھا مگر جب ڈرائیور اسی انجن کو آگے کی طرف دھکیلا تو انجن رک جاتا تھا آخر اتنے میں اسٹیشن ماسٹر جو انگریز تھا اپنے کمرے سے نکل کر پلٹ فارم پر آیا اور اس ڈرائیور سے کہا کہ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر کھینچو یا پھینکا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، انجن کو گاڑی سے کاٹ کر جب چلا یا تو بخوبی پوری رفتار سے چلا، کوئی اس میں خرابی نظر نہ آئی مگر جب ریل کے ڈبوں کے ساتھ جوڑ کر اس انجن کو چلا یا گیا تو وہ پھر اسی طرح جام ہو گیا اور ایک انجن بھی آگے کو نہ سرکا۔ ریل کا ڈرائیور اور سب لوگ بڑے حیران و پریشان کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے کہ انجن ریل کے ساتھ جڑ کر آگے کو نہیں جاتا، اسٹیشن ماسٹر نے گارڈ سے پوچھا جو نمازیوں کے قریب ہی کھڑا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ انجن الگ کر دیا تو چلنے لگتا ہے اور ڈبوں کے ساتھ جوڑ دیا تو بالکل پٹری پر جام ہو کر رہ جاتا ہے وہ گارڈ مسلمان تھا اس کے ذہن میں بات آگئی اس نے اسٹیشن ماسٹر کو بتایا کہ سمجھ میں آیا تھا ہے کہ یہ بزرگ جو نماز پڑھا رہے ہیں کوئی بہت بڑے ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں یقیناً اس کے علاوہ اور کوئی ٹیکنیکل وجہ نہیں۔ اب جب تک کہ یہ بزرگ اور ان کی جماعت نماز ادا نہیں کر لیتی یہ گاڑی مشکل ہی چلے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس ولی اللہ کی کرامت معلوم ہوتی ہے بس اب ان کے نماز ادا کرنے تک تو انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ اسٹیشن ماسٹر اگرچہ انگریز تھا مگر وہ اولیاء اللہ کو ماننا تھا اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور وہ کہنے لگا کہ بلاشبہ یہی بات معلوم ہوتی ہے چنانچہ وہ نمازیوں کی جماعت کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ نماز میں اعلیٰ حضرت اور ان کے مریدین کا اس قدر استغراق اور خشوع و خضوع کا روح پرور منظر دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوا۔ انگریزی اس کی مادری زبان تھی مگر وہ اردو اور فارسی کا بھی ماہر تھا اور بے تکلف اردو میں کلام کرتا تھا۔ گارڈ کے ساتھ اس کی یہ ساری گفتگو اردو ہی میں تھی۔

غرض اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے سلام پھیرا اور پھر با آواز بلند درود شریف پڑھ کر دعا مانگنے میں مصروف ہو گئے جب یہ دعا سے فارغ ہوئے تو آگے بڑھ کر نہایت ادب کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر (انگریز) نے اردو ہی میں عرض کیا کہ حضرت! اذرا جلدی فرمائیں، یہ گاڑی آپ ہی کی مصروفیت عبادت کے سبب چل نہیں رہی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ بس ابھی نماز پڑھ کر کوہم لوگ تھوڑی دیر میں فارغ ہوں گے اور ان شاء اللہ گاڑی چلے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ نماز کا وقت ہے کوئی بھی سچا مسلمان نماز تھا نہیں کر سکتا، نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، فرض کو کیسے چھوڑا جائے گا گاڑی ان شاء اللہ نہیں جائے گی جب تک کہ ہم لوگ اطمینان کے ساتھ نماز ادا نہیں کر لیتے

اشیئن ماسٹر پر اسلام کی روحانی ہیبت طاری ہوئی، اعلیٰ حضرت اور ان کے مریدین نے سکون کے ساتھ جب نماز پورے طور پر ادا کر لی اور دعا پڑھ کر فارغ ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے پاس ہی کھڑے ہوئے انگریز اشیئن ماسٹر سے فرمایا کہ انشاء اللہ اب گاڑی چلے گی ہم سب نماز سے فارغ ہو گئے ہیں، یہ کہا اور بعد اپنے سب ہمراہیوں کے گاڑی میں بیٹھ گئے گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی۔ اشیئن ماسٹر نے اپنے انداز میں سلام کیا اور آداب بجالایا مگر اس کرامت کا اس کے ذہن اور دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔

بہر کیف گاڑی کے ساتھ اعلیٰ حضرت اور ان کے یہ چند مریدین نواب امیر شریف روانہ ہو گئے مگر اشیئن ماسٹر سوچ میں پڑ گیا راست بھر وہ اسی غور و فکر میں رہا، اس کو نیند نہ آئی صبح اٹھا تو چارٹا اپنے ذہنی کودے کر بعد اپنے افراد خاندان کے (حاضری کے لیے) امیر شریف کو چل پڑا تا کہ وہاں درگاہ خواجہ غریب نواز میں حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت کے دست مبارک پر اسلام قبول کرے۔ جب امیر شریف پہنچا تو دیکھا کہ درگاہ شریف کی شاہجہانی مسجد میں اعلیٰ حضرت کا ایمان افروز وعظ ہو رہا ہے وہ وعظ میں شریک ہوا۔ بیان سنا اور جب وعظ ختم ہوا تو قریب پہنچ کر اعلیٰ حضرت کے ہاتھ چوم لیے اور عرض کیا کہ جب سے آپ مصلح راہ اشیشان سے ادھر روانہ ہوئے ہیں میں اس قدر بے چین ہوں کہ مجھے سکون نہیں آتا، آخر اپنے افراد خاندان کے ہمراہ یہاں حاضر ہو گیا ہوں اور اب آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں آپ کی یہ روحانی کرامت دیکھ کر مجھے اسلام کی آسمانی صداقت کا یقین کامل ہو گیا ہے اور مجھے پتہ چل گیا ہے کہ بس اسلام ہی خدائے تعالیٰ کا سچا دین ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے ہزار ہا زائرین دربار خواجہ کے سامنے اس انگریز کو اور اس کے نو افراد خاندان کو وہیں کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا اور خود اس کا اسلامی نام بھی غوث پاک کے نام پر عبد القادر رکھا۔ حالانکہ اس کا انگریزی نام رابرٹ تھا اور وہ رابرٹ صاحب کے نام سے مشہور تھا آپ نے اس کو مسلمان کرنے کے بعد سلسلہ قادریہ میں اپنا مرید بھی کیا اور پھر ہدایت فرمائی کہ ہمیشہ اتباع سنت کا خیال رکھنا، نماز کسی وقت نہ چھوڑنا، نماز روزہ کی پابندی بہت ضروری ہے اور جب موقع ملے تو حج پر بھی ضرور جانا اور زکوٰۃ بھی ادا کرنا اور ہمیشہ خدمت دین کا خیال رکھنا اس لیے کہ اسلام کا پھیلا نا بھی قرآن پاک نے ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ اپنے وطن بھی جب جاؤ تو وہاں بھی دین کو پھیلانے کی خدمت انجام دینا۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے اب خود بھی قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرو اور اپنے ان تمام افراد خاندان کو بھی قرآن پاک کی تعلیم دلواؤ، غرض آپ نے اسلام اس کے دل میں اتار دیا اور اپنی عارفانہ جنبش نگاہ سے اس

کے دل کو عشق رسول پاک ﷺ کے عطر سے بھر کر اس کی روح کو ایسا مہکا دیا کہ وہ اسلام کا شیدائی اور وارفتہ ہو گیا۔

انگریز کے قبول اسلام کا یہ واقعہ اس وقت کا ایک اہم واقعہ تھا اس لیے کہ یہ انگریز کوئی معمولی درجہ کا نہ تھا بلکہ ایک ایسے گھرانہ کا فرد تھا جس کے بہت سے افراد ہندوستان اور انگلستان میں مناصب جلیلہ پر فائز تھے اہل علم اور باوقار لوگ تھے اور عیسائی مشینری کی سرپرستی کیا کرتے تھے اس انگریز کے بعد افراد خاندان مسلمان ہو جانے کے اس واقعہ سے عیسائی مشنریوں کے حلقہ میں ہل چل پڑ گئی مذہب کے میدان میں ان کی بوکی ہوئی ساری سفید کپاس جل گئی یعنی گورے گھبرا گئے۔ ان کے پادری بوکھلا گئے۔

پھر اس نو مسلم انگریز نے جیسا کہ بزرگوں نے بتایا کہ زندگی بھر اسلام کی بڑی خدمت کی وہ پھر قرآن کریم کی تعلیم تکمیل کرنے کے بعد ہندوستان سے وطن واپس لوٹ گیا اور پھر وہاں جا کر اسلام کی خدمت کے لیے وقف ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی روحانی کرامت اور عارفانہ جنبش نگاہ نے اس کی ساری کاپا پلٹ دی۔ اسے آشنائے عشق رسول ﷺ کے کام کا آدی بنا دیا، منزلی پر پہنچا دیا، اس کو ملت اسلامیہ کا ایک مستحکم ستون بنا دیا، اولیاء اللہ نے ہمیشہ اسی طرح انقلابی طور پر اسلام پھیلایا اور پرچم اسلام کو سر بلند کیا، ان کا ہر نقش قدم ایک مسلمان کو نجات کی راہ دکھاتا ہے اور ہر تگ واپل یہ دعوت دیتا ہے کہ ہمیشہ اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چل کر دین کی بے لوث خدمت انجام دو اور اتباع سنت کا پورا خیال رکھو۔ بس نجات اسی میں ہے۔

(سیرت پاک اعلیٰ حضرت ص ۱۷۵)

ختم شد

شذرات

(خطیب مشرق علامہ) مشتاق احمد نظامی (رحمہ اللہ تعالیٰ)

قال رسول الله ﷺ: ان الله يبعث على راس الخ

(۱) سرور کائنات کا فرمان گرامی ہے کہ پروردگار عالم ہر صدی کے آخر میں ایک رہنمائے کامل بھیجتا ہے جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتا اور قوم کو بھولی بسری باتیں یاد دلاتا ہے۔ وہ مرد حق تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کی کٹھن راہوں سے گزرنے میں تیر ملامت کا نشانہ بنتا ہے اور کبھی کبھی تو قید و بند کی کٹھنایوں سے بھی اسے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ چونکہ وہ کوئی سیاسی قیدی نہیں جو حالات کے تیور سے مرعوب ہو کر فکھ حق کو واپس لے لے بلکہ آمرانہ اور جاہلانہ طاقتیں خود اس کے قدموں پر چبکتی ہیں اور حق کا پرستار بلا خوف و لومۃ لائم دین کی صاف اور کشادہ راہوں کو پیش کرنے میں جرات ہے باک سے کام لیتا ہے غیر تو غیر بسا اوقات اپنے بھی اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوتے ہیں مگر نہ پوچھئے اس کے عزم و استقلال کی خداداد طاقت کی کرشمہ سازیوں کہ فہر و غضب کے بادل اٹھتے ہیں مگر برسنے سے پہلے مطلع صاف نظر آتا ہے۔ نہیں معلوم ایسے کتنے طوفان اٹھتے ہیں مگر اس کی جہین استقلال پر بل نہیں آتا۔ یہاں تک کہ دوا پنی مختصری زندگی میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتا ہے جس کے باعث دنیا سے مجدد کے نام سے یاد کرتی ہے۔

(۲) یہ ایک سنت الہیہ ہے کہ آفتاب نبوت کے پردہ فرمانے کے بعد کسی قرن اور صدی کو قدسی نفوس ہستیوں سے خالی نہ رکھا گیا، ملت اسلامیہ کی صحیح نمائندگی و رہنمائی کے لئے ہر تیرہ و تار یک فضا میں کوئی نہ کوئی آفتاب ہدایت مطلع شہود پر آفتاب ہا اور وقت کی بگڑتی ہوئی فضا کو سازگار بنانے میں یا یوں کہہ لیجئے کہ نظام شریعت کے سانچے میں ڈھال دینے کی انتھک کوشش کرتا رہا۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے اور مجدد دین کی آخری کڑی جس کو نامزد کیا جاسکتا ہے وہ تاجدار اہلسنت مجدد مانتہ حاضرہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی ہے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز اور اعلیٰ حضرت کی درمیانی صدیوں میں امام شافعی، امام فخر الدین رازی، امام غزالی، ابوبکر باقر قلاتی، یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے مجددانہ جانی جیسے بلند پایہ حضرات اپنے وقت میں اُجھائے دین فرماتے رہے اور قریب قریب ہر ایک کی تاریخ میں یہ قدر مشترک نظر آئے گی کہ آسمان ہدایت کے ان چمکتے ہوئے ستاروں پر غبار ڈالنے کی

کوشش کی گئی۔ مگر (الحق یعلو ولا یعلیٰ) حق خود بلند ہوتا ہے۔ وہ کسی کے بلند کرنے سے عظمت و رفعت کی چٹان پر نہیں پہنچتا اور نہ کسی باطل کی ہوا خیزی سے اس کی صداقت پر پردہ پڑتا ہے۔ دنیا کی فرعون و طاغوتوں نے ان کا مقابلہ کیا آخرش ایک صبح ایسی نمودار ہوئی جس کی روشنی پر تاریکی کا پردہ نہ پڑ سکا اور ان کے کارہائے نمایاں کے سامنے غیروں کی بھی گردنیں جھک گئیں۔ چنانچہ تاجدار اہل سنت کے متعلق آج بھی مخالفت کے باوجود اکابر علماء و یوہند یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کچھ بھی ہو مولانا احمد رضا خاں صاحب قلم کے بادشاہ تھے، جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہ چھوڑا۔

(۳) قلم کی چلتے کاری کا اعتراف ہی اعلیٰ حضرت کی شان تجدید پر روشن دلیل رہے چونکہ امام اہل سنت کا مجدد ہونا حسن صورت یا امارت و ریاست یا کثرت تلامذہ و حلقہ ارادت کی وسعت غرض کہ اس قسم کے دوسرے عوارضات پر مبنی نہیں بلکہ کشور علم کا تاجدار جس وقت سیف قلم لے کر روزِ مگاہ حق و باطل میں اُترتا ہے۔ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی گھٹے ٹیک دیئے اور تجدید نام ہی ہے انسان کی اس صفت راخدا کا جس کی موت سے وہ وقت کی بڑی سے بڑی طاقت پر قابو پالیتا ہو کر حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے۔ یہی وہ جو ہر ہے جو اعلیٰ حضرت کی تصنیف و تالیف تقریر و تحریر میں نمایاں حیثیت سے اجاگر ہے اور اس جو ہر گراں مایہ سے ہر اس شخص کا دامن نہیں بھر پور ہو سکتا جس نے درس نظامیہ کی کتب متداولہ کی حرف بہ حرف تعلیم حاصل کی ہو۔ یہ خدا کی ایک بخشی ہوئی طاقت ہے جو اُجھائے سنت کی خاطر کسی برگزیدہ بندے کو دی جاتی ہے۔ (ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء) یہ اللہ کا ایک فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ انہیں برگزیدہ شخصیتوں میں فاضل بریلوی کا بھی نام نامی ہے۔

(۴) اتحاد و بے دینی کی مہیب فضا، کفر و شرک کی گھٹا گھٹا نجدیت و وہابیت کی مطلق العنان مارکیٹ جس میں شرک و بدعت (نکے سیر بھاجی، نکے سیر کھاجا) کی جگہ لے چکی تھی۔ بات بات پر شرک و بدعت کے فتوے دیئے جاتے، استمداد و نداء، میلاد و قیام، ختم نبوت و علم و غضب جیسے قطعی الدلائل مسائل پر نہ صرف قیل و قال کے دروازے کھل گئے تھے بلکہ اخبار و پریس کی طاقت نیز حکومت وقت کے ایماء و اشارے پر سچے بچے مسلمانوں کو بدعتی و شرک کہا جاتا تھا اور یہ فتادے کیوں نہ دیئے جاتے (جب سیان بھنے کو تو اب ڈر کا ہے کا) انگریزوں سے ساز باز تھی۔ علمائے اہلسنت اپنی پوری طاقت سے انگریزی سامراج کو مٹانا چاہتے تھے۔ چنانچہ مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق شیر آبادی علیہ الرحمہ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر فرما چکے تھے جس کی پاداش میں انہیں دریائے شور کی مہبتیں جھیلنی پڑیں اور بہت سے حق پرست مسلمانوں کو

پچاسی کے نچتے پر لٹکا دیا گیا۔ علمائے اہلسنت کا شیرازہ منتشر تھا۔ اک جیتی ختم ہو چکی تھی۔ تنظیم منکڑے کٹے ہوئی تھی۔ ایک دوسرے کے حالات سے سبے خبر و نا آشنا تھے اور ملک کی دوسری فتنہ انگیز جماعت انگریزوں کے ہاتھ کٹھ پتلی بن چکی تھی۔ برطانیہ گورنمنٹ کی نوادشات سے دامن بھر پور تھا۔ موقع غیبت جان کر عرصہ کم کا حال بچھانا شروع کر دیا۔ اب ان کے پاس دارالعلوم تھا اور جمیعہ کا جتنا بھی تھا۔ طفل مکتبہ مصنف بنا چکے تھے ہر کتاب پر ہنگامہ ہوتا۔ ہر عبارت پر مکالمہ بازی کا بازار گرم ہوتا۔ حفظ الایمان کی ایک گندہ توہین آمیز عبارت پر مدلل الہامان و توضیح الہیامان، مکالمہ الصدرین جیسے نہیں معلوم کتنے رسالے و پمفلٹ چر و بازاریں آچکے تھے۔ کسی طرح عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اس لئے سب سے بڑا ٹھکانہ انور ٹی ٹی پبلیگری جھوڑا مصلحت و فتنہ کا بین تھا۔ اس لئے..... کبھی علم غیب پر حملہ ہے تو کبھی شتم نبوت پر، کبھی شان نبوت کی تنقیص ہے تو کبھی عظمت ولایت کی توہین۔

(۵) فرض کہ زمین ہند ماتم گسار تھی، چرخ کہن لوحہ گر تھا۔ قدسی صفات فرشتے رحمت باری کے منتظر تھے۔ اہل سنت کا کلیجہ زخموں سے چور تھا۔ حق پرستوں کی آنکھ سادون بھادوں کی چھتری تھی، عقیدت مندوں کا سینہ نالوں کنناں تھا، رسول پاک کے فدائی ماہی بے آب تھے، حرمت نبوت پر جان دینے والے کراہ رہے تھے، عظمت ولایت پر حرم مٹنے والے سسک رہے تھے، اس طرف انجشی یار رسول اللہ کے نعرے تھے، یا غوث الدرد کی صدائیں تھیں اور دوسری طرح انگریزوں کی گود میں بیٹھ کر تیر و تکران کی مشق جاری تھی..... مقابلہ آسان نہ تھا نجدیت کے علاوہ ان سفید چمڑے والوں سے بھی مقابلہ تھا۔ جن کا دل تو بے کی کا لک سے زیادہ سیاہ اور سنگریزوں سے زیادہ سخت تھا۔

(۶) مگر مرد مومن کی آہ رنگ لاکر رہی۔ اہل سنت کے آئینہ و کرم کی موسلا دھار بارش بن کر رہے۔ یہاں تک کہ سرزمین بریلی کا مقدر راج شریا سے بھی بلند ہوا۔ شب و بیدار کے پردے چاک ہوئے۔ "پوچھنی"، "مگر نمودار ہوئی"، "کرن ضیا پاش ہوئی"، آسمان ہدایت پر ایک نیا ستارہ چمکا۔ بزم علم میں ایک چراغ منور ہوا، چشتان مجددیت میں ایک شاداب پھول کھلا۔ جس نے قلم و حرب کو چمکایا اور جنوب و شمال کو اپنی عطریں یوں سے مہکایا۔ آیا کون.....؟ آیا وہی جس پر دنیا سنیّت عقیدت کے بار چڑھاتی ہے، ہاں وہ آیا۔ جو سفینہ سعادت کا نا خدا بن کر آیا۔ جو قلم کا بادشاہ اور زبان کا زہنی بن کر آیا۔

جس کو ہماری زبان میں تاجدار اہل سنت، مجدد دین و ملت، اعلیٰ حضرت عبدالمصطفیٰ مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے۔ جن کا نام آج بھی زندہ ہے اور قیامت کی صبح تک ان کی عظمت و شوکت کی پرچم کشائی ہوتی رہے گی۔

(۷) ویسے تو اعلیٰ حضرت کی زندگی پیکرِ علم و عمل تھی۔ علمائے عرب و عجم نے خراج عقیدت پیش کیا۔ جس کی اونی شہادت حسام الحرمین ہے۔ جس میں علمائے عرب نے اعلیٰ حضرت کے فتاوے کی نہ صرف تصدیق فرمائی بلکہ آپ کے علمی فضل و کمال کا اعتراف کرتے ہوئے تفریظات کا حصہ بھی شامل فرمایا۔ لیکن آج ہمیں اس مسئلہ پر توجہ کرنی ہے کہ وہ کون سے مخصوص علل و اسباب ہیں جن کی بناء پر دنیا امام اہل سنت کو مجبور ماننے پر مجبور ہے اس موقع پر مجھے اپنی بے مانگے کا پورا پورا حساس ہے کہ میں ایسی سنگلاخ زمیں میں قدم رکھ رہا ہوں جس کا میں قطعی طور پر اہل نہیں۔ محترم مخلص مفتی ظفر علی صاحب نعمانی پرنسپل دارالعلوم امجدیہ کراچی کا مرسلہ یکیت جس وقت مجھے موصول ہوا اور کتاب کے سرورق "حیات اعلیٰ حضرت" پر نظر پڑی تو وفور شوق میں اور ان گردانی کرنے لگا۔ مگر اپنی حرماں انہی کہ جس عنوان کا مشلاشی تھا وہ مجھے نہ مل سکا۔ یعنی اعلیٰ حضرت کی شان تجرید۔ میرے خیال میں جلد اول کا سب سے اہم اور ضروری باب یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت کی مجددیت پر سیر حاصل گفتگو کی جاتی۔ اس کے بعد زندگی کے دوسرے گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی۔ ہو سکتا ہے بعد کے دوسرے نسخوں میں حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین صاحب قبلہ پرنسپل جامعہ لطیفہ کلیہ دار نے اس خصوصی مسئلہ پر گفتگو فرمائی ہو۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو سکا تو مکتبہ کراچی کو چاہیے کہ وہ موصوف سے اس عنوان پر ایک علمی و تحقیقی مقالہ لے کر دوسری یا تیسری جلد میں شامل کر دے۔ ورنہ میری نگاہ میں حیات اعلیٰ حضرت ایک عالم و فاضل کی تاریخ تو کہی جائے گی مگر وہ کسی مجدد کی تاریخ نہ بن سکے گی۔ ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت کی شان تجرید پر محققانہ گفتگو کی جائے۔ یہ تنقید و تبصرہ نہیں۔ بلکہ اپنی رائے ناقص کا اظہار ہے۔

(۸) اعلیٰ حضرت کے عہد زندگی پر مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز سے گفتگو کی ہے۔ لیکن وہ کیا نہ تھے میری نگاہ میں اعلیٰ حضرت چہستانِ علم و ادب کے ایسے ثنّاد اب وہ بے مثل مہلک ستہ ہیں جس کی وجہ سے انہیں مجمعِ محاسن اور جامعِ کمالات کہا جا سکتا ہے۔ تبحرِ عالم، جیدِ فاضل، منتہیِ دوراں، منظرِ اعظم، فقیدِ زمان، ماہرِ فلکیات، جامعِ معقول و منقول، آفتابِ شریعت، ماہِتابِ طریقت، غرض کہ عربی کراہے سے لے کر ادب، معانی و بیان و بدیع، فہمہ، تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ، علم جفر و تفسیر، ہیئت و ریاضی سب پر یکساں نگاہ تھی اور ہر ایک میں ایسی دستگاہِ کامل حاصل تھی کہ کوئی ہم عصر اس باب میں آپ کا ہم پلہ نہیں۔ لیکن ان تمام محاسن کے ساتھ ایک اور بھی ایسی وہابی و دہدانی طاقتِ قدرت کی طرف سے ودیعت تھی۔ جو اعلیٰ حضرت اور آپ کے دوسرے ہم عصر علماء کے درمیان خطِ فاصل کھینچتی ہے اور وہ ہے آپ کا مجددِ کامل ہونا۔

(۹) ایک مجدد کی تاریخ کو جانچنے پر کھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے گرد و پیش ماحول پر کڑی نگاہ رکھی جائے تاہم تنقید اس کے صحیح ماحول کا اندازہ نہ ہو سکے گا اس وقت تک اس کے کارِ تجدید پر بحث کرنی دشوار ہوگی۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی کا خلاصہ یا پختہ احاطہ حق و در ابطال ہے۔ زندگی سے مراد آپ کی تصنیف و تالیف، تقریر و تحریر اور روایات جو یکے بعد دیگرے ہم تک پہنچی ہیں۔ جہاں تک رد و بابیہ کا تعلق ہے اس خصوص میں اعلیٰ حضرت کے متقدمین میں علامہ فضل حق خیر آبادی و مولانا فضل رسول بدایونی کا بھی نام لیا جاسکتا ہے۔ لیکن علامہ فضل حق کی تاریخ پر ان کا مجاہدانہ کردار اتنا غالب ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش کا نگاہ اول جائزہ نہیں لے سکتی اور مولانا فضل رسول بدایونی کی زندگی پر نقوش و کشف و کرامات کی ایسی حسین غلاف چڑھی ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش خود بخود اس میں گم ہو جاتے ہیں۔ علامہ فضل حق خیر آبادی خواص کی نگاہ میں ایوانِ محفل کے ستون سمجھے جاتے ہیں اور تاریخ میں طبقہ کی نظر میں آزادی ہند کے تاجدار اور قیامِ پاکستان کے ستون ہیں۔ مولانا فضل رسول بدایونی علماء کے طبقہ میں خلیفہ عالم اور عقیدت مندوں کے جہرِ مٹ میں مرشدِ کامل کی جگہ پاتے ہیں۔ لیکن امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب عالم شریعت شیخ طریقت متعلم و معلم راعی و رعایا، حاکم و محکوم ایک پروفیسر و پرنسپل سے لے کر تاجر و مل مزدور تک کی نگاہ میں مجددِ کامل سمجھے جاتے ہیں۔

(۱۰) میں نے متقدمین کی قبرست میں کسی اور کا اضافہ اس لیے نہیں کیا چونکہ اصول موازنہ کا آئینی تقاضا ہے کہ نقاد کا نقد سے، طبیب کا طبیب اور پروفیسر کا پروفیسر سے موازنہ کیا جائے غرض کہ دوا سے مقابلہ جو کسی ایک وصف میں شریک ہوں یا امکانِ شرکت ہو ایسی ہی شخصیتوں کو ایک دوسرے کے مقابل لایا جاسکتا ہے چونکہ اعلیٰ حضرت کے کارِ تجدید میں نمایاں پہلو عقائدِ باطلہ کی تردید کو حاصل ہے اور اس بارے میں اگر کسی کو آپ کا شریک و ہم قدم قرار دیا جاسکتا ہے تو علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولانا فضل رسول بدایونی کو لیکن ان دونوں کی زندگی میں یہ حصہ جزوی حیثیت سے نظر آتا ہے اور اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی احیائے سنت اور ردِ ابطال کی آئینہ دار ہے۔ یہ موازنہ من حیثِ تجدید نہیں ہے بلکہ محض رد و بابیہ کے مخصوص شعبہ سے متعلق ہے۔

امام اہل سنت کا کارِ تجدید ۱۴ برس کی عمر سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ اوائل عمر میں جو داغِ بیل ڈالی گئی زندگی کے آخری حصہ میں پر دان چڑھی۔ اللہ اکبر نہ پوچھئے، اس مردِ حق بین کی مجاہدانہ تاریخ کہ زمین ہند پر نہ معلوم کتنے صاحبِ کمال آسمان بن کر چھائے تھے۔ مگر شیرِ حق کی ایک گرج نے زمین ہند کی کاپا پٹ دی۔

(۱۱) فرنگی محل کی عظیم ترین شخصیت جس کو آثارِ السلف کہا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالباقی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ وہ بھی سیاسیات کا بہت بڑا ہوادار اور سمجھ سکے جس وقت ہندوستان کے لیڈر مولانا محمد علی جوہر اور ان کے دوسرے حواریں تحریکِ خلافت کی قیادت اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اور کانگریس کے مایہ ناز لیڈران بھی ترک و برطانوی ہنگ کے احتجاج میں ہندی مسلمانوں کے دوش بدوش تھے۔ ایسے نازک وقت میں حضرت مولانا عبدالباقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریکِ خلافت کے ایک جزو بن گئے تھے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کی عاقبت اندیش نگاہ مستقبل سے نا آشنا نہ تھی۔ چنانچہ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرواؤ بادی رحمۃ اللہ علیہ کو جو حیدر حضرت مولانا عبدالباقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت گرامی میں بھیجا گیا کہ "مولانا اپنے الفاظ سے رجوع فرمائیں"۔ قربان چاہئے ان حق پرستوں کی لہبیت پر کہ نہ تو توبہ لینے والے کو کسی شخصیت کے سامنے جھک اور نہ تو رجوع کرنے والے کو کسی قسم کی شرم و عاریہ ہے اعلیٰ حضرت کی وہ جرات یہاں تک جس کے سامنے کانگریس جھک گئی تھیں۔

(۱۲) اگر ایک طرف مولوی شبلی نعمانی کا قلم آزاد خیال طبقے سے خارج عقیدت حاصل کر رہا تھا تو دوسری طرف اعلیٰ حضرت کا زور قلم علمائے عرب و عجم کو دعوتِ فکر دے رہا تھا مگر قلم کی وہ پختہ کاری جو اعلیٰ حضرت کی تصنیف و تالیف میں پائی جاتی ہے وہ دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔

مولوی شبلی نعمانی کی تالیفات سے "سیرت النبی" مایہ ناز تالیف ہے۔ لیکن اربابِ فکر و نظر پر یہ حقیقت غفلت نہیں کہ سیرت النبی میں مولوی شبلی نے مسئلہ معراج پر گفتگو کرتے ہوئے نقص و روایات کا تسلسل باندھ دیا ہے۔ مگر اس فیصلہ میں ان کا قلم خاموش ہے کہ رسولِ محترم ﷺ کو آپ معراج جسمانی تھی یا روحانی۔ یہ ایک مولف کی بہت بڑی کمزوری ہے بلکہ ایسی صورت میں اس کی عدم تحقیق اس کا استہان حق تصور کیا جاتا ہے۔ اگر سیرت النبی میں واقعات کی فراہمی ہی کو دخل ہوتا تو میں اس مسئلہ کو نہ چھیڑتا۔ لیکن حضور کی ولادت سے متعلق ۹ رقع الاول کی اپنی تحقیق پیش کرنا یا واقعہ ہجرت پر گفتگو کرتے ہوئے غار ثور پر کبوتر کے انڈا دینے سے انکار یا معجزہ شق القمر کی روایت پر جرح کرنا وغیرہ وغیرہ اور مسئلہ معراج میں روایت کی فراہمی کے بعد اظہارِ حقیقت میں خاموش رہنا کچھ تو ہے "جس کی پردہ داری ہے" کا مصداق ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے قلم میں نقل روایات کے ساتھ محکم اور قوت فیصلہ کی بے پناہ طاقت موجود تھی۔ یہی وہ طاقت ہے جو دوسرے علماء کے درمیان اعلیٰ حضرت کو شرف امتیاز بخشی ہے۔

(۱۳) بات بہت دور آگئی۔ متعذرو صرف یہ ہے کہ اب اعلیٰ حضرت کو ایسے ماحول میں دیکھنا ہے جہاں وقت کے ممتاز لوگ اپنے اپنے علمی فضل و کمال کی داد لے رہے تھے، البتہ اب تک میں

نے جتنے نام پیش کئے ہیں ان میں کسی کو مجدد نہیں کہا گیا، خواہ وہ مولوی شبلی ہوں، مولانا محمد علی یا حضرت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ ایک ان میں سے مورخ ہے، دوسرا سیاسی لیڈر اور تیسری ذات گرامی بھر عالم اور شیخ طریقت ہاں ایک نام ہی باقی رہ گیا جس کو ہندوستان کی ایک مخصوص ٹولی اپنا خانہ ساز مجدد تصور کرتی ہے۔ وہ ہنستی زیور کے مولف مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تھانوی صاحب کا موازنہ کس حیثیت سے اعلیٰ حضرت سے کیا جائے۔

(۱۳) ہاں اگر پیر کی مخالفت کرنے والا مجدد ہو سکتا ہے تو تھانوی صاحب نے مسئلہ میلاد و قیام وغیرہ میں اپنے روحانی باپ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی مخالفت کی ہے اس سبب سے انہیں مجدد کہا جاسکتا ہے۔ اگر آپ کی اصطلاح میں ایسے مولف کو مجدد کہتے ہیں جس کی عبارت میں نہ صرف ابہام تو ہیں بلکہ رسول پاک کی کھلی ہوئی توہین ہو تو حفظ الایمان کے مولف شام رسول تھانوی صاحب کو مجدد کہا جاسکتا ہے جس میں سرود کائنات کے علوم غیبیہ کو جانور، پگل، مینوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ العباد باللہ من ذالک۔ اگر آپ کی اصطلاح میں مجدد ایسے مصلحت اندیش کو کہتے ہیں کہ جب تک زمین سازگار نہ ہو کتمان حق کیا جائے اور اپنے عقائد باطلہ پر پردہ ڈال کر زمین بنائی جائے تو کان پور کی سرزمین پر تھانوی صاحب نے پہلے اسی اصول کو برتا ہے جیسے جیسے زمین بنتی گئی شرک و بدعت کو رواج دینے لگے۔

اگر آپ کا یہی اصول ہے کہ دین میں نئی بات پیدا کرنے والا مجدد ہے خواہ وہ بدعات و منکرات ہی کا رواج کیوں نہ دیتا ہو تو مجھے معاف فرمائیے۔ ایسے مجدد کی پہلی کڑی حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی ذات گرامی نہ قرار پائے گی، بلکہ ایسے مجدد کا رشتہ تو ابو جہل اور یزید سے جوڑنا پڑے گا اور اگر تصنیف اور تالیف کی کثرت و بہتات پر نگاہ ہے کہ تھانوی صاحب نے بہت سے رسائل لکھے ہیں تو مصنف اپنے قلم سے پہچانا جاتا ہے اس اصول کے پیش نظر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دسترخوان کرم کے خوش چیس فقیہ اعظم مولانا محمد علی صاحب علیہ الرحمہ کی بہار شریعت اور تھانوی صاحب کی ہنستی زیور کا اگر موازنہ کیا جائے تو یہ ادعا بے محض نہیں بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہنستی زیور کے دس حصوں پر بہار شریعت کا ایک حصہ دینی ہے بلکہ دس حصے کو بہار شریعت کے ایک حصے سے کوئی نسبت نہیں۔

اب میں آپ کی زبان عدالت کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ جس کی معرکتہ الامراء تصنیف، بہار شریعت کے مقابل نہ لائی جاسکے وہ فتاویٰ رضویہ کے مقابل کس طرح لائی جاسکتی ہے جس کی ایک ایک سطر میں علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ محفوظ ہے۔ اب آپ ہی بتلائیے کہ اعلیٰ حضرت اور تھانوی صاحب کے درمیان وہ کون سی قدر مشترک ہے جس کی بناء پر انہیں ایک دوسرے کے

مقابل لایا جاسکے۔ اس لیے جمہور علماء کی باطابق رائے یہ آخری فیصلہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بغیر کسی موازنہ کے اس صدی کے مجدد کاں تھے۔

مگر یہ واضح رہے کہ اس آخری صدی کے مجدد کی شان ہی نرالی تھی۔ پوری زندگی احیائے سنت اور فرقہ باطلہ کی تردید میں گزاری مگر نوک قلم پر کبھی ایسی بات نہ آئی۔ جس سے اشارہ و کنایہ یہ سمجھا جاسکے کہ یہ شخص اپنے کو مجدد کہلانا چاہتا ہے لیکن آج ایسے بھی صاحب قلم ہیں جو اپنی کتاب ہی کا نام تجدید و احیائے دین رکھتے ہیں۔ جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی تاکہ ان کی جماعت کتاب کا نام ہی دیکھ کر انہیں مجدد کہہ سکے۔

اے پروردگار عالم جب تک آسمان کے ستاروں میں چمک اور مزاروں میں کوکلوں کی کوک اور پیپہا کی ترنم خیز صدائیں گونج رہی ہوں۔ اے کائنات کے پانچا رب جب تک سمندر کی روانی اور سطح سمندر پر پھیلنے والی کھیل کود ہو۔ اے خالق کائنات جب تک کائنات کی چمک چمک اور گردش کیل و نہار ہو۔ اے رب کریم جب تک صحن گلشن میں کیوں کی مسکراہٹ اور پھولوں کے حسین قہقہے پر بلبلوں کی نوا سنی ہو۔ اس وقت تک آقا نے نعمت سیدی مولائی تاجدار ایش سنت مجدد دین و ملت مولانا شاہ عبدالصطفیٰ محمد احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر ترے رحم و کرم کے پھولوں کی بارش ہو۔

آمین ثم آمین

پیغام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

پیارے بھائیو! تم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑیں ہو۔
 بھیڑیے تمہارے چاروں طرف ہیں یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکا دیں تمہیں فتنے میں
 ڈال دیں تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں ان سے بچو اور دور بھاگو دیوبندی
 ہوئے، رافضی ہوئے، نیچری ہوئے، قادیانی ہوئے، چکڑالوی ہوئے، غرض
 کتنے ہی فتنے ہوئے اور ان سب سے نئے گاندھوی ہوئے جنہوں نے ان سب کو
 اپنے اندر لے لیا یہ سب بھیڑیے ہیں تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں ان کے حملوں
 سے اپنا ایمان بچاؤ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، رب العزت جل جلالہ کے نور ہیں
 حضور سے صحابہ روشن ہوئے، ان سے تابعین روشن ہوئے، تابعین سے تبع تابعین
 روشن ہوئے، ان سے ائمہ مجتہدین روشن ہوئے ان سے ہم روشن ہوئے اب ہم تم
 سے کہتے ہیں یہ نور ہم سے لے لو ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو وہ نور
 یہ ہے کہ اللہ و رسول کی سچی محبت ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی
 تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت جس سے خدا اور رسول کی شان میں ادنیٰ
 توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ جس کو بارگاہ
 رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے
 اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔

(وصایا شریف ص ۳۳ از مولانا حسین رضا)